چاہتے تھے۔ کہ شاہ متوفی کے نابالغ پسر منصور کو وارث تخت و تاج کیا جاوے۔ اور بعض یہ چاہتے تھے۔ کہ عبد الملک کا چچا بادشاہ ہو۔ البتگین کو خبر نہ تھی کہ یہاں اُلٹی گنگا بہ رہی ہے۔ اس نے منصور کے برخلاف رائے دی۔ مگر اس کا جواب آنے سے پہلے منصور تخت نشین ہو چکا تھا۔ اس نے البتگین کا جواب دیکھکر مار دُم بریدہ کی طرح پیچ و تاب کھایا۔ اور اُس کی تخریب کے درپے ہُوا۔ البتگین کے دشمنوں کو بھی موقع خوب ہاتھ آیا۔ فوراً دربار میں طلبی ہوئی۔ اگر البتگین اس وقت دربار میں آتا۔ تو جان جانے میں کوئی شک نہ تھا۔ ناچار سپاہیانہ پیچ کھیلکر جان بچائی۔ اور اپنے خاصے کے غلاموں اور نوکروں کی امداد سے خود سر ہو گیا۔ اور کابل اور قندہار پر قبضہ کر کے غزنی جو عین کوہ سلیمان کے بیچوں بیچ ہے۔ اپنا دار السلطنت مقرر کیا۔ مگر واہ رے جوانمرد کہ باوجود خود سر ہونے کے بھی اپنے آقا کے گھرانے کی اطاعت ہی کرتا رہا۔ ایک دفعہ البتگین اپنے دربار میں بیٹھا ہُوا۔ سوداگروں سے باتیں کر رہا تھا۔ کہ بخارے سے ایک سوداگر آیا۔ اور بہت سا اسباب بطور تحفہ لایا۔ اس سوداگر کے ساتھ ایک نوعمر جوان سبکتگین نامی تھا۔ البتگین نے ایسے ہونہار کو دیکھ کر خرید لیا۔ سبکتگین دراصل یزدجرد شاہِ فارس کی نسل سے تھا۔ مگر زمانہ کی گردش سے تباہ و خستہ ہو کر اس سوداگر کے ہاتھ آیا۔ اور وہ اُسے بخارا لے آیا۔ البتگین نے رفتہ رفتہ کل سلطنت کے سیاہ و سفید کا مالک سبکتگین کو کر دیا۔ بعض مؤرخ بیان کرتے ہیں۔ کہ سبکتگین کی بڑی صفت یہ تھی۔ کہ وہ نہایت خوش خلق رحمدل اور فیاض تھا۔ اور اسی باعث سپاہ اس پر جان نثار کرتی تھی۔ ایکدفعہ کا ذکر ہے کہ جب وہ ابھی رسالہ میں ملازم تھا جنگل میں شکار کھیلنے گیا۔ جنگل میں ایک ہرنی مع اپنے بچے کے چر رہی تھی۔ اس کے دل میں آیا۔ کہ کسی طرح اس بچے کو جیتا پکڑ لیجیئے۔ اور گھر لیجا کر پالئے۔ چنانچہ اس ارادے سے گھوڑے کو ایڑ لگا کر اسکی طرف جھپٹا۔ اور بچہ کو پکڑ کر فتراک سے باندھ لیا۔ اور گھر کی راہ لی۔ تھوڑی دور جا کر پیچھے پھر کر دیکھا۔ تو معلوم ہُوا۔ کہ اس بچے کی ماں دردانگیز آواز سے چیختی چلاتی ہوئی پیچھے پیچھے چلی آتی ہے۔ ہرنی کا یہ حال دیکھکر سبکتگین کا دل بھر آیا۔ اور فوراً اسکے بچہ کو کھول دیا بچے کو کھلا دیکھکر ہرنی کی جان میں جان آ گئی۔ اور خوشی خوشی بچہ کو ساتھ لیکر جنگل کیطرف چوکڑیاں بھرتی چلی گئی۔ مگر

دور تک الٹی پھیر پھیر کر دیکھتی جاتی تھی۔ اور گویا زبان حال سے اسکی رحمدلی کا شکریہ ادا کر رہی تھی۔ اس رات خواب میں سبکتگین کو ایک فرشتہ نظر آیا۔ اور بشارت دی۔ کہ تونے جو آج اس بےزبان کو مصیبت اور درد دکھ میں مبتلا دیکھکر رحم کھایا ہے۔ وہ جناب ایزدی کو نہایت پسند آیا۔ اسکے صلہ میں تجھے غزنی کی سلطنت عطا ہوگی۔ مگر دیکھ ایسا نہ ہو کہ اس رتبہ عالی پر پہنچکر تجھ میں رعونت آجائے۔ اور جسقدر اب جانوروں پر رحم کھاتا ہے اسوقت آدمیوں پر اس سے کم رحم کرے۔

الپتگین کی وفات کے بعد اسکا بیٹا اسحاق تخت نشین ہوا۔ مگر اطراف کے لوگوں نے بغاوت کی دھمکی دی۔ اس پر سبکتگین بخارا سے اُسے حکومت کی سند دلوا کر لایا۔ اس سند میں نیابت سبکتگین کے نام کی تھی۔ دو برس کے بعد اسحاق بھی جان بحق تسلیم ہوا۔ اور ایک دو اور تاجدار ہو گئے بعد جب اہل دربار نے ملک اغیار کے ہاتھ جاتا دیکھا تو سب نے بالاتفاق نصیر الدین سبکتگین کو مسند سلطنت پر بیٹھا دیا۔ سبکتگین نے الپتگین کی بیٹی سے شادی بھی کر لی۔ اور اسی دن سے انکے ستارہ اقبال کا طلوع شروع ہوا۔

اس زمانہ میں پنجاب کی حد سرحد غزنی تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور لاہور میں راجہ جیپال جو ذات کا برہمن تھا۔ راج کرتا تھا۔ اس نے مسلمانوں کے قدم آگے بڑھتے دیکھکر ایک بھاری فوج سے غزنی پر چڑھائی کی۔ اور آن کی آن میں لمغان پر ڈیرے ڈالدیئے۔ ادھر سے سبکتگین نے بھی شیر نیستان کی طرح انگڑائی لی۔ اور اپنی چیدہ چیدہ فوج سے مقابلہ میں خیمہ زن ہوا۔ دونوں فوجیں ایکدوسرے کی پیشدستی کی منتظر تھیں۔ سبکتگین کا دستور تھا کہ وہ کبھی حریف پر پیشدستی نہ کرتا تھا۔ جیپال کی تقدیر جو الٹی تھی۔ دفعتہً آسمان سے بے موسم برف گرنی شروع ہوگئی۔ غزنی کے دلاور جو برف کے کیڑے تھے انہیں خبر بھی نہ ہوئی۔ مگر ہندوستانی بیچارے اکڑ اور سنکڑ کر رہ گئے۔ اور لگے رضائیاں اور لحاف اور توشک ڈھونڈنے۔ اس پر قیامت یہ ہوئی کہ کسی نے کہدیا کہ اس پہاڑ پر ایک چشمہ ہے۔ کہ جسمیں اگر کوئی ناپاک چیز ڈالدے تو اسقدر برف گرتی ہے کہ شہر کے شہر دب جاتے ہیں۔ چنانچہ اس بے موسم برف باری سے انکو یقین ہوگیا کہ ان لوگوں نے ہمارے مارنے کے لئے ایسا کیا ہے اب دوبارہ گھر والوں کا منہ دیکھنا نصیب

نہ ہو گا۔ چنانچہ اسباب سے ہندستانی فوج کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے۔ راجہ جیپال نے جب اپنی فوج کو بیدل دیکھا تو صلح کا پیغام بھیجا۔ سبکتگین نے دربار کر کے مشورہ کیا۔ اس بارہ میں دو فریق ہو گئے۔ وزیروں کی یہ صلاح تھی کہ یہ صلح غنیمت ہے۔ مگر جنگی افسروں نے جنکے سینہ میں جوانی کے زور بھرے ہوئے تھے یہ دیکھ یہی فیصلہ کرایا کہ ہمیں صلح منظور نہیں۔ راجہ جیپال کو جب یہ پیغام پہنچا۔ تو نہایت خفا ہوا۔ اور کہلا بھیجا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہمارے لشکر کے بھاری بھاری اور بیش قیمت سامان دیکھکر تمہارے دہان طمع میں پانی بھر آیا ہے۔ مگر یاد رہے ہم راجپوت ہیں۔ ہمارے نزدیک سے آبرو جنگ میں رہے تو جان جانا پشم ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں۔ کہ کسی طرح چھٹکارا نہیں تو ہم اول بال بچوں کو اپنے ہاتھ سے فنا کرتے ہیں۔ پھر مال و دولت نقد و جنس کو جلا کر خاک کرتے ہیں۔ ہاتھی گھوڑوں اور مویشیوں کو اندھا کر دیتے ہیں۔ پھر ایک دوسرے سے رخصت ہو کر دشمنوں کو تہ تیغ بیدریغ کر دیتے ہیں۔ پھر جو کرے سو خدا شکست و ظفر اُس کے اختیار میں ہے۔ سے

شکست و فتح نصیبوں سے ہے ولے اے میر
مقابلہ تو دلِ ناتوان نے خوب کیا

اگر ہار لیا تو دم کے ساتھ پھر سب کچھ موجود ہو جاتا ہے۔ جان ہے تو جہان ہے۔ اگر مر گئے تو دنیا میں سُرخرو ہوئے۔ اور دشمن کے ہاتھ بھی خاکستر کے سوا اور کچھ نہ آیا۔ یہ پیغام سُنکر سبکتگین کے جرنیل بھی دم بخود ہو گئے۔ غرض صلح ہو گئی۔ راجہ جیپال نے بہت سا مال اسباب دینے کا وعدہ کیا اور اپنا ایک معتبر غزنی چھوڑ گیا۔ سبکتگین کے آدمی ہمراہ لئے۔ اور لاہور کی طرف نہضت کی۔ جب دار الخلافہ میں پہنچا۔ تو ایک دربار کیا۔ کیونکہ اب تو برف و باراں کی سردی اور تلواروں کی آنچ سے خاطر جمع ہو گئی تھی۔ اس زمانہ میں دستور تھا۔ کہ راجہ کے داہنی طرف برہمن اور بائیں طرف صاحب شمشیر چھتری کھڑے رہتے تھے۔ برہمنوں نے جنکو اپنے حلوے مانڈے سے غرض تھی۔ صلاح دی کہ اول تو کچھ مسلمان کو خاک بھی نہ دو۔ اور کہلا بھیجو کہ جب ہمارا آدمی واپس آئیگا تو ہم تمہارے آدمی رہا کریں گے

اور اسطرح ایک ادنے سردار کو خراج دینا آپ جیسے عالیجاہ مہاراج کی شان کے برخلاف ہے
چھتریوں نے جواب دیا کہ جان جائے پر بات نہ جائے۔ انسان کو اپنے قول کا پاس ہونا چاہیے
اور یاد رہے کہ حجازی فوج کے قدم ایک دفعہ ترکوں کے مقابلہ میں اُکھڑ چکے ہیں۔ اب جیسے دشوار
ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ بلا کسے جان کی طرح ہمارے گلے کا ہار ہو جائیں۔ اور ہم کو یہ کہنا پڑے کہ ہم
تو کملی کو چھوڑتے ہیں۔ کملی ہی ہم کو نہیں چھوڑتا۔ یہ ترک ایک بلائے مُبرم ہیں۔ لوٹ
مار انکا شیوہ ہے۔ اگر ہندوستان پر چڑھ آئے تو تہ و بالا کر دیں گے۔ اسوقت خلق خدا کا
خون کس کی گردن پر ہوگا۔ غرض چھتریوں نے ہزار جتن کئے۔ مگر برہمنوں کے بچن کے آگے
ایک پیش نہ گئی۔ سبکتگین کو جب یہ خبر ہوئی کہ جیپال نے وعدہ خلافی کی۔ اور شاہی سفیروں
کو قید کر لیا ہے۔ تو برستی گھٹا کی طرح شمال کیطرف سے اوٹھا۔ اور آتے ہی سرحد کے ملکوں پر
چھا کر اندھیر برپا کر دیا۔ راجہ جیپال بھی بیخبر نہ تھا۔ اُسنے تمام ہندوستان میں چٹھیاں دوڑادیں
جن کا مضمون کچھ اس طرح تھا:۔

"ترکستان کا بادشاہ اور ملیچھوں کا سلطان جنگلی پہاڑ کے راکھشسوں کی فوجیں
لیکر چڑھ آیا ہے۔ پنجاب کا ملک قدیم الایام سے سب بھائی ہندوؤں کی سپر بنا ہوا ہے۔
چنانچہ اگلے سال میں نے خود اس کے گھر پر جا کر ایک ٹکر کو روکا۔ مگر اب دھرم کی لاج
رکھنے کا وقت ہے۔ نہیں تو اس سرے سے اُس سرے تک تمام ہندوستان پر پانی پھر
جائیگا"۔

ان چٹھیوں نے بارود میں آگ اور آگ میں مٹی کے تیل کا کام دیا۔ اور دہلی۔ اجمیر۔
قنوج۔ اور کالنجر کے بڑے بڑے راجاؤں نے چیدہ چیدہ فوج بہ تعداد خزانوں کے ساتھ
بھیجی۔ اور اکثر نے وقت پر خود بھی آنیکا وعدہ کیا۔ چھاؤنی پشاور پر ہوئی۔ بادشاہ نے جب
یہ مور و ملخ کا لشکر دیکھا تو اپنے سرداروں کو بلایا۔ مگر ان کے بھی ہوش غائب اور حواس گم تھے
دیکھے۔ سبکتگین نے ہنسکر کہا۔ اے بہادر و دیرینہ گرد اور باپ دادا کا نام نہ ڈبوو۔ اس
کے بعد ہمت سے مضمون ثواب اور جہاد اور تائید غیبی کے سُنائے۔ پھر بڑے بڑے شجاعوں
اور نامی آوروں کے کارنامے اور الوالعزمیاں سنا کر دل بڑھائے۔ غرض لڑائی شروع ہوئی

ادہر سے تکبیروں کی آوازیں اور اللہ اکبر کے نعرے بلند تھے۔ اور ادہر سے نرسنگھے بجے کا ہے تھے۔ اور سنکھ پھونکے جا رہے تھے۔ غرض دونوں لشکر اس طرح بے جگر ہو کر ایکدوسرے پر گرے کہ پیادہ سوار اندھا دہند ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔ سوار گھوڑوں سے کود پڑے اور ہاتھیوں نے اپنا پرایا کچھ نہ دیکھا۔ سب کو چکی کی طرح دَل ڈالا۔ آخر ہزاروں کا کھیت پڑا اور خاتمہ ہندوؤں کی شکست پر ہوا۔ فتحیاب لاکھوں کا مال لیکر گھر کو چلے گئے۔ اس یورش کے تھوڑے عرصہ بعد نصیر الدین سبکتگین ۳۸۶ھ سنہ ۹۹۷ء میں راہی ملک عدم ہوا۔

محمود کے ہندوستان پر متواتر حملے اور فتوحات

سلطان نصیر الدین سبکتگین کے دو بیٹے محمود اور اسمعیل تھے۔ محمود ۲ اکتوبر ۹۷۱ء میں پیدا ہوا۔ کرنیل برگرے جو شرح تاریخ فرشتہ کی لکھی ہے اسمیں پہلی جلد کے صفحہ ۲۹ پر لکھا ہے کہ غالباً محمود سبکتگین کی منکوحہ بیوی کے شکم سے نہ تھا۔ ہمارے رائے میں یہہ بات سچ معلوم ہوتی ہے کیونکہ فردوسی نے بھی محمود کی ہجو میں لکھا ہے ؎

پرستار زادہ نیاید بکار ٭
اگرچہ بود زادۂ شہریار ٭

بعض مؤرخوں کا یہہ خیال ہے کہ محمود کی والدہ زابلستان کی کنیز تھی۔ محمود درمیانہ قد کا انسان تھا۔ اور اس کے تمام اعضا سڈول اور سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے اور اس کا بدن قوی اور ورزشی تھا۔ لیکن اسکے چہرہ پر اسقدر چیچک کے داغ تھے۔ کہ اسکی شکل نامقبول ہو گئی تھی۔ چنانچہ اسبات کا اسکو سخت صدمہ تھا۔ اور اپنی کریہہ منظری پر نہایت ملول رہتا تھا۔ چنانچہ مؤرخ فرشتہ ڈی ہربلاٹ اور براؤس صاحب لکھتے ہیں کہ محمود نے ہمیشہ کوشش کی کہ وہ اپنی بدصورتی کو اپنے خجستہ افعال کے نقاب سے چھپاتا رہے۔ محمود کا لڑکپن سے یہ حال تھا کہ فوج کشی اور لڑائیوں میں باپ کے ساتھ ہی رہتا تھا۔ بلکہ ہر مہم میں ایسی ایسی کارستانی کرتا تھا۔ کہ بڑے بڑے شہسوار مثل آئینہ حیران رہجاتے تھے۔ سچ ہے کہ ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات۔ جب اسکا باپ اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی

کو شکست دی تھی ۔ تو یہ بیٹا پورا حاکم تھا ۔ لیاقت شجاعت کے لحاظ سے محمود بیشک تخت نشینی کا مستحق تھا ۔ مگر بڑی قباحت یہ تھی کہ یہ والدہ کی طرف سے داغدار تھا ۔ چھوٹے بیٹے اسمٰعیل کو باپ بہت چاہتا تھا ۔ اور اُسے ہر وقت اپنے ساتھ رکھتا تھا ۔ مورخ الفنسٹن صاحب لکھتے ہیں ۔ کہ مرتے وقت اس نے یہ وصیت کی ۔ کہ میرے بعد میرا وارث اسمٰعیل میرا خلف الصدق ہوگا ۔ چنانچہ اسمٰعیل نے والد کی وفات کے بعد فوراً تاج سر پر رکھا ۔ اور تخت سلطنت پر جلوس فرما کر فرمان جاری کر دیئے ۔ ساتھ ہی امیروں اور وزیروں کو انعام واکرام سے مالا مال کر دیا ۔ فوج کی تنخواہیں بڑھا دیں ۔ اور جشن شروع کر دیئے ۔ تا کہ رعیت کے دلمیں گھر ہو جائے ۔

محمود نے یہ حال سُنکر پیغام بھیجا کہ والد مرحوم نے بڑی محنت اور مشقت سے اس سلطنت کو حاصل کیا ہے ۔ مگر خانہ سلطنت چاروں طرف سے دشمنوں کی نگاہوں میں ہے ۔ میری رائے میں تمہاری عمر اور تجربہ اس لائق نہیں ہے ۔ کہ تم اس کو سنبھال سکو ۔ اگر تم صاحب تجربہ ہوتے تو میری عین تمنا تھی کہ تم والد مرحوم کے جانشین ہو ۔ فی الحال قرین مصلحت یہ بات ہے ۔ کہ خزانہ اور دولت بموجب شریعت تقسیم کر کے دار السلطنت میرے حوالہ کر دو ۔ تمہاری حکومت کیلئے میں بلخ اور خراسان کا ملک صاف کر دیتا ہوں ۔ اگرچہ یہ نصیحت واجبی تھی ۔ مگر اسمٰعیل کے خوشامدی کسی کی دال نہ گلنے دیتے تھے ۔ انہوں نے اس پیغام کو بادِ ہوائی سمجھا ۔ محمود کی عمر اسوقت تیس برس کی تھی ۔ اور عین شباب میں تھا ۔ اس بے پرواہی سے اس کو بھی غصہ آگیا ۔ اور اُس نے کہا کہ اگرچہ اس نو دولت نے میری نصیحت نہ سُنی تھی ۔ مگر ارکان دولت نے بھی مجھے ہیچ اور حقیر سمجھا ۔ اور میرے حق کو خیال نہ کیا ۔ لاچار اُسنے ارادہ کر لیا ۔ کہ دار الخلافہ پر حملہ کر کے اس فتنہ کو مٹا دے ۔

ادھر سے اسمٰعیل بھی فوج لیکر آیا ۔ اور اگرچہ شجاعت اور بہادری میں یہ بھی اپنے والد کا خلف الصدق تھا ۔ مگر ابھی ناتجربہ کار تھا ۔ فتح اور شکست خدا کے اختیار میں ہے وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ قسمت نے فتح کا تاج محمود کے سر پر رکھدیا اور محمود کے نام کا نقارہ غزنی کے نوبت خانوں میں بجگیا ۔ اسمٰعیل نے بھی پیٹھ نہ دکھائی آخر کو قید ہوا ۔ اور تمام عمر قید سے باہر نہ نکلا ۔

امیر سبکتگین اور راجہ جیپال میں جو لڑائیاں اور معرکے ہوئے۔ انمیں محمود بھی شریک تھا۔ اسلئے اس کو خوب یقین ہو گیا تھا۔ کہ ہندوستان جنت نشان ایک بڑا زرخیز ملک ہے۔ اور وہاں کے راجپوت بہادر چاہے کتنے ہی منچلے ہوں کوہستان کابل کے زبردست اور زحمت کش بہادروں کے سامنے تاب مقاومت نہیں لاسکتے۔ اسلئے اس نے سنہ ۹۹۶ء میں غزنی پر تسلط جماکر ماوراء النہر کے ملک میں جو بحیرہ خزر سے لیکر دریائے اٹک تک پھیلا ہوا تھا۔ اپنا سکہ جمایا۔ اور پھر عنان توجہ ہندوستان کی طرف منعطف کی۔ محمود کا ہند کی دولت پر تو دانت تھا ہی۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی آرزو تھی۔ کہ بڑے بڑے بانکے راجپوتوں کو تلوار کے زور سے دین اسلام میں داخل کرے۔ خلیفہ بغداد نے محمود کا مذہبی جوش دیکھکر ایک گران بہا خلعت اسکے پاس بھیجا تھا اور "امین الملت یمین الدولہ" خطاب دیا تھا۔ یہ بات سونے پر سوہاگا ہوئی۔ اور محمود نے عزم بالجزم کر لیا۔ کہ میں دین اسلام پھیلانے کے لیے ہر سال ہندوستان پر حملہ کیا کروں گا +

سلطان محمود نے چونتیس ۳۴ برس سلطنت کی۔ اور اس عرصہ میں سترہ ۱۷ دفعہ ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ اور بیقیاس دولت و مال سے مالا مال ہو کر غزنی کو عالیشان عمارتوں سے نگارخانہ چین بنادیا۔ نگرکوٹ۔ اور تھانیسر۔ اور سومنات کے بڑے بڑے مندروں اور تیرتھوں پر حملہ کرنیسے خاصکر بیقیاس زر و جواہر محمود کے ہاتھ آیا۔ چونکہ محمود بتوں اور مندروں کے مسمار کرنے میں دل و جان سے سرگرم رہا اسلیئے اسکا لقب بت شکن پڑگیا ہے۔ محمود کے سترہ ۱۷ حملوں میں سے مندرجہ ذیل بارہ بہت مشہور حملے ہیں +

(۱) - پہلا حملہ سنہ ۱۰۰۱ء میں کیا گیا۔ یہ حملہ راجہ جیپال اول والئی لاہور پر ہوا۔ اسوقت محمود کے ساتھ دس ہزار بہادر سپاہی تھے۔ جو اسکے پسینہ کی جگہ خون بہانے کو تیار تھے۔ یہ راجہ جیپال وہی جیپال تھا۔ جو اسکے مرحوم والد کا پرانا حریف تھا۔ راجہ کو شکست فاش ہوئی اور محمود قلعہ دیہند فتح کرکے غزنی کو الٹا پھر گیا۔ دیہنہ دریائے سندھ پر قلعہ اٹک سے ۵ میل شمال کیطرف تھا۔ اکثر مورخوں نے اسکو غلطی سے بٹھنڈا لکھا ہے۔ وہ دریائے ستلج کے پار ہے۔ غرض راجہ جیپال نے بہت سا روپیہ دیکر قیدیوں کو رہائی دلوائی۔ اور اقرار کیا

(۵) - پانچواں حملہ سنہ ۱۰۱۰ء میں پھر ملتان پر کیا - ابوالفتح اپنی شرارت سے باز نہ آیا اسلئے محمود اسکی گوشمالی کو دوبارہ ملتان گیا اور ابوالفتح لودہی کو جو حامد خاں لودہی کا پوتا تھا اپنے ساتھ غزنی لیگیا +

(۶) چھٹا حملہ محمود نے تھانیسر پر کیا - یہ ہندوؤں کا مشہور تیرتھ تھا - جو سرسوتی اور جمنا کے مابین واقع ہے - اس جگہ کو محمود نے خوب لوٹا - اور ناراض ہوکر شہر میں آگ لگادی - اور بیشمار ہندو قید کرکے غزنی کو لیگیا +

(۷) ساتواں حملہ سنہ ۱۰۱۵ء میں کشمیر پر کیا - مگر فوج راستہ بھول گئی - اور جاڑے کا موسم آگیا - اسلئے نہایت زحمت اٹھائی اور بہت سے آدمی ہلاک ہوئے +

(۸) - اٹھواں حملہ سنہ ۱۰۱۸ء یا سنہ ۱۰۱۹ء میں قنوج اور متھرا پر ہوا - یہ حملہ سومنات کے حملہ کے سوا محمود کے سب حملوں سے زیادہ مشہور ہے - کہتے ہیں اسوقت محمود کے ساتھ ایک لاکھ بیس ہزار فوج تھی - جو محمود نے بخارا اور سمرقند کے جابجا غلاموں سے بھرتی کی تھی محمود یہ فوج لیکر پشاور سے روانہ ہوا - اور پہاڑوں کے بیچوں بیچ پنجاب کے دریاؤں کے منبعوں کے قریب ہوتا ہوا قنوج پہنچا - اس زمانہ میں قنوج کمال رونق پر تھا - اس میں اسقدر دولت تھی - کہ جسکا کچھ شمار و حساب نہیں - اور یہاں کا راجہ جو اکثر مہاراج اور مہیرج کے لقب سے مخاطب ہوا کرتا نہایت تزک و احتشام سے دربار کیا کرتا تھا - جب محمود قنوج پر آیا - تو راجہ نے اپنے تئیں اسکے حوالہ کردیا - اس پر محمود نے اسکے ساتھ دستار بدل لی - یعنی اسکا بڑا دوست ہوگیا - اور تین دن مہمان رہکر رخصت ہوا +

قنوج سے ہوکر محمود متھرا آیا - جو کرشن جی کی ولادت گاہ ہونے کے باعث ہندوؤں کا بڑا تیرتھ ہے - اس شہر کی خوبصورتی - اور مندروں کی عالیشان عمارتیں دیکھکر محمود لوٹ گیا - اور اسکا یہ جی چاہا - کہ غزنی کے اجاڑ پہاڑوں پر بھی ایسی ہی عمارتیں بنوائے یہاں محمود نے اپنی فوج کو بیس روز تک شہر لوٹنے کی اجازت دی - اسکے بعد غزنی کو واپس چلا گیا - متھرا سے اس کی فوج اسقدر ہندوؤں کو پکڑ کر لیگئی - کہ غزنی میں دو دو روپیہ پر ہندو غلام بکا +

[illegible]

(۵) - پانچواں حملہ سنہ ۱۰۱۰ء میں پھر ملتان پر کیا - ابو الفتح اپنی شرارت سے باز نہ آیا اسلیٔے محمود اسکی گوشمالی کو دوبارہ ملتان گیا اور ابو الفتح لودہی کو جو حامد خاں لودہی کا پوتا تھا اپنی قید کرکے غزنی لیگیا +

(۶) چھٹا حملہ محمود نے تھانیسر پر کیا - یہہ ہندوؤں کا مشہور تیرتھ تھا - جو سرستی و جمنا کے مابین واقع ہے - اس جگہ کو محمود نے خوب لوٹا - اور ناراض ہوکر شہر میں آگ لگا دی - اور بیشمار ہندو قید کرکے غزنی کو لیگیا +

(۷) ساتواں حملہ ۱۰۱۵ء میں کشمیر پر کیا - مگر فوج راستہ بھول گئی - اور جاڑے کا موسم آگیا - اسلیٔے نہایت زحمت اٹھائی اور بہت سے آدمی ہلاک ہوگئے +

(۸) - اٹھواں حملہ ۱۰۱۸ء و ۱۰۱۹ء میں قنوج اور متھرا پہ ہوا - یہ حملہ سومنات کے حملے کے سوا محمود کے سب حملوں سے زیادہ مشہور ہے - کہتے ہیں اسوقت محمود کے ساتھ ایک لاکھ بیس ہزار فوج تھی - جو محمود نے بخارا اور سمرقند کے جدید غلاموں سے بھرتی کی تھی محمود یہ فوج لیکر پشاور سے روانہ ہوا - اور پہاڑوں کے بیچوں بیچ پنجاب کے دریاؤں کے منبعوں کے قریب ہوتا ہوا قنوج پہنچا - اس زمانہ میں قنوج کمال رونق پر تھا - اس میں اسقدر دولت تھی - کہ جس کا کچھ شمار و حساب نہیں - اور یہاں کا راجہ جو اکثر مہاراج ادہیراج کے لقب سے مخاطب ہوا کرتا نہایت تزک و احتشام سے دربار کیا کرتا تھا - جب محمود قنوج پر آیا - تو راجہ نے اپنے تئیں اسکے حوالہ کر دیا - اس پر محمود نے اسکے ساتھ دستار بدل لی - یعنی اسکا بڑا دوست ہوگیا - اور تین دن مہمان رہکر رخصت ہوا + قنوج سے ہوکر محمود متھرا آیا - جو کرشن جی کی ولادت گاہ ہونے کے باعث ہندوؤں کا بڑا تیرتھ ہے - اس شہر کی خوبصورتی - اور مندروں کی عالیشان عمارتیں دیکھکر محمود لوٹ گیا - اور اس کا یہ جی چاہا - کہ غزنی کے اجاڑ پہاڑوں پر بھی ایسی ہی عمارتیں بنوائے یہاں محمود نے اپنی فوج کو بیس روز تک شہر لوٹنے کی اجازت دی - اسکے بعد غزنی کو واپس چلا گیا - متھرا سے اس کی فوج اسقدر ہندوؤں کو پکڑ کر لیگئی - کہ غزنی میں دو دو روپیہ پر ہندو غلام بکا +

سمندر کے کنارہ ایک شہر عظیم الشان ہے۔ اور اسمیں ایک عبادتخانہ ہنود کا ہے۔ کہ اسپنے دیوتا کے نام سے سومنات کہلاتا ہے۔ اور چونکہ ہزاروں برس ہوئے برابر سے لیکر پرجا تک ملک ملک کی خلقت اسے صدق دل سے مانتی ہے۔ اس لیئے نہ مال و زر کا ٹھکانا ہے۔ نہ زر و جواہر کی کچھ انتہا ہے۔ حسن میمندی نے زمین خدمت کو بوسہ دیا اور عرض کی۔ قبلۂ عالم میں نے وہاں کے حالات عجیب و غریب سُنے ہیں۔ کہتے ہیں۔ کہ جس مکان میں سومنات دیوتا ہے۔ باہر کی روشنی کو وہاں دخل نہیں۔ جواہر زواہر اور الماس چو در و دیوار میں جڑے اور جراؤ قندیلوں میں لگے ہیں۔ انکی چمک کا ہیبت سے دن رات برابر ہے۔ بیچمیں ایک بڑی بھاری سونیکی زنجیر لٹکتی ہے۔ کہ اسمیں گھنٹے اور گھنٹریاں اویزاں ہیں۔ کہ اس زنجیر کا وزن پکا دو سو من ہے۔ جب پوجا کا وقت ہوتا ہے۔ تو جسطرح ہم اذان دیتے ہیں۔ وہ اس زنجیر کو ہلاتے ہیں۔ کہ سب کو خبر ہو جاوے۔ سمندر ملک ملک کے راجاؤں نے جاگیریں وقف کی ہیں۔ انہیں جمع کرو تو دو ہزار گاؤں ہوتے ہیں۔ ہر چند کہ گنگا وہاں سے چھ سو کوس پر ہے۔ مگر روز تازہ گنگا جل سے اُسکا اشنان ہوتا ہے۔ دو ہزار برہمن فقط یہاں کے پوجاری ہیں۔ پانسو لونڈیاں گانیوں اور تین سو گویے ہیں۔ کہ پوجا کے وقت بھجن گاتے ہیں۔ اور ناچتے ہیں۔ زیور لباس خرچ اخراجات ان کا سب ہیں سے ملتا ہے۔ چاند اور سورج گرہن کے وقت اس مندر میں تین لاکھ آدمیوں کا ہجوم ہوا کرتا ہے۔ یہ سب تو ان کی باتیں ہیں۔ مگر ہمارے مطلب کی یہہ بات ہے۔ مال و زر اور زیور و جواہر کا وہاں یہ عالم ہے۔ کہ اسکا عشر عشیر بھی کسی بادشاہ کے خزانے میں نہیں سما سکتا۔ یہ سنکر محمود کے دہان طمع میں پانی بھر آیا۔ اور دل سانپ کیطرح لہرانے لگا۔ اُسی وقت سپہ سالار کو حکم بھیجا کہ ہاں لشکر تیار ہو ہر علاقے سے لشکر طلب ہوا۔ میدان شہر جیحوں ڈیروں سے پٹ گیا۔ فوج فوج کے نشان جدا جدا لہرانے لگے۔ لشکر خاصہ کے علاوہ تاتار کے ترک اور کوہستانوں کے افغان جو لوٹ مار کی نیت باندھے شب و روز روزے سے بیٹھے رہتے تھے۔ ہزاروں کی جگہ لاکھوں جمع ہو گئے اس ٹڈی دل کو لیکر محمود دا اُڑا۔ اور ملتان میں آکر دم لیا۔ لوٹ کی جیوٹ کی فرصت نہ

ساز و سامان کی درستی کی یہ بھی معلوم ہوا کہ رستے میں ایسے ایسے ریگستان اور چٹیل میدان ہیں۔ کہ جہاں کوسوں تک پانی کا پتا اور گھاس کا نشان نہیں ملتا۔ اسلئے حکم دیا کہ ہر شخص کئی کئی دن کا پانی اپنے اپنے ساتھ اٹھا لے۔ اور سرکار شاہی سے بھی دو ہزار اونٹ رسد کے۔ واسطے پانی اور گھاس پات سے لدوا کر ساتھ لئے۔

غرض ان لق و دق میدانوں کو لپیٹ لپیٹ کر دفعتاً اجمیر پنجاب پہنچا۔ اگرچہ کوئی راجہ محمود کے حال سے غافل نہ تھا۔ مگر یہ بھی خیال نہ تھا کہ ایسے میدان طے کر کے یہ طوفان یوں یکایک بجلی کی طرح آن کرے گا۔ اب سوائے کنارہ کرنے کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ راجہ اور شہر کے لوگ جو بھاگ سکتے تھے۔ وہ جان لیکر بھاگ گئے۔ مگر اس آندھی سے شہر میں چراغ اور باہر تنکا تک نہ رہا۔ تاراگڑھ کا قلعہ سامنے پہاڑ پر چمک رہا تھا۔ مگر دیکھا کہ اس کے محاصرہ میں خدا جانے کتنے دن لگیں اور کیا پیش آئے۔ اسلئے سیدھا منزل مقصود کا رخ کیا۔ رستے میں جو جو قلعے اور شہر نظر آئے انہیں ٹھکراتا۔ اور سامان خداداد سمیٹتا دو منزل اور سہ منزل کرتا چلا جاتا تھا۔ کہ سمندر کے کنارے پر ایک قلعہ عالیشان نمودار ہوا جس کا ایک ایک برج سر بفلک تھا۔ اور دریا کی لہریں پاؤں میں لوٹ رہی تھیں۔ معلوم ہوا۔ کہ شہر سومنات یہی ہے۔ اہل شہر گھروں میں بے خبر پڑے آنند کر رہے تھے۔ دیکھا تو یہی دیکھا کہ فوج کا دل بادل چھا گیا ہے۔ اور نشان محمودی لہرا رہا ہے۔ سب گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ پانڈے بیچارے بھولے بھالے جنہوں نے کبھی ننگی تلوار نہ دیکھی تھی۔ فصیل پر چڑھ کر حیرت سے دیکھنے لگے۔ اور چلانے لگے۔ کہ اے مسلمانو! تم اپنی فوج اور لشکر کے گھمنڈ پر یہیں لوٹنے آئے ہو۔ یہ خبر تمہیں نہیں کہ دھرم مورت پرماتما ہمارا اسواسطے تمہیں یہاں لایا ہے۔ کہ جو جو مندر شوالے تم نے ہندوستان میں توڑے ہیں۔ سب کی سزا یہاں دیگا۔ قاصد آئے اور انہوں نے بھی ایسے ہی پیغام سنائے مگر محمود ان باتوں کو کیا خاطر میں لاتا تھا۔ تیوری بدل کر منہ پھیر لیا۔ اور کہا کہ خیر جو کچھ ہو گا کل معلوم ہو جائیگا۔ وہ دن تو جوں توں کر کے کاٹا۔ دوسرے دن مشرق کا شہسوار ستاروں کی فوج کو شکست دیکر شعاع کا نیزہ ہاتھ میں لئے نکلا۔ محمود نے

پاؤں تک لوہے میں غرق۔ ہوا کے گھوڑے پر سوار چتر لگائے میدان جنگ میں آکھڑا ہوا۔ نقارے پر چوٹ پڑی۔ کہ دل سینوں میں ہل گئے۔ دلیروں نے قلعہ کی طرف تیر برسانے شروع کیے۔ کہ ہندوؤں کو فصیل چھوڑنی ہی بن آئی۔ قلعے سے مندر میں بھی راہ تھی۔ سب گھبرا کر اُدھر گھس گئے۔ مسلمان جھٹ سیڑھیاں لگا کر۔ کمندیں ڈال فصیلوں میں چڑھ گئے۔ اور اللہ اکبر اللہ اکبر کی آواز سے برہمنوں اور پانڈوں کے دلوں میں کھیاں دہرم کی آگ سے ایک دُھواں اُٹھا۔ اور راجپوتوں کے دلوں میں خون غیرت نے جوش مارا۔ دفعتہً آگ بگولا ہو کر دوڑے جو تیر انداز فصیل پر کھڑے تھے اُن سے آتے ہی چھری کٹاری ہو گئے۔ اور سب کو کاٹ کر نیچے گرا دیا۔ پھر تو اُدھر سے آتشبازی کے بان اور رال کی ہانڈیاں تھیں۔ اور اُدھر سے تیروں کی بوچھاڑ اور برچھیوں کی بجلیاں۔ عالم گرد و غبار سے اندھیرا ہو گیا۔ اور لڑائی برابر ترازو کے تول تلی ہوئی تھی۔ مگر قلعہ کا پلہ بھاری تھا۔ کہ اتنے میں شام نے آکر اندھیرے کے بیچ میں کھڑی۔ طبل بازگشت بجگئے۔ اور دونوں لشکر اپنے اپنے مقام پر آئے۔ شبخون کی روک تھام کا بندوبست ہوا حکم تھا کہ چراغ تو کیا ذکر ہے۔ آگ کی چنگاری تک نہ چمکنے پائے۔ مگر دلوں کی بیقراری اور مایوسی کچھ کہی نہ جاتی تھی۔ ادھر کو محمود کے لشکری سناٹے میں تھے کہ کہاں وہ کوہ و دشت پر بہار اور خدائی گلزار کہاں یہ ریگستان بیابان! گھروں سے ہزاروں کوس آن پڑے ہیں اللہ ہے جو پھر بھی اہل و عیال کا مُنہ دیکھنا نصیب ہو! روئے طمع سیاہ جس نے یہ دن دکھایا! لوٹ کا لالچ نہ ہوتا تو کیوں اس بلا میں پڑتے! کرتے تو کرتے بیٹھنے۔ مگر دیکھئے کہ اب اونٹ کس کروٹ بیٹھے! ادھر قلعہ بند بیچارے مصیبت کے مارے جانوں سے نراس بیٹھے تھے اور کہتے تھے۔ ہے کرتار یہ آسمانی بلا کہاں سے آگئی ہم تو گھروں میں آرام سے رام رام کی سمرن جپتے تھے۔ تو ہی اس آفت کو ٹالے تو ٹالے تیرے سوا کسکا آسرا ہے۔ غرض دونوں طرف سناٹے کا عالم تھا۔ اندھیری رات میں سنسان جنگل سائیں سائیں کرتا تھا۔ اور گھوڑے سے لیکر اونٹ تک سانس نہ لیتا تھا۔ ہاں اتنے ۔۔ ا رکے قاصد اور کاغذ کے گھوڑے دوڑ رہے تھے۔ قلعے والوں کو رات بھر نیند نہ آئی

ہوا اطلاعاً عرض کرا دہر سے غبار نمودار ہوتا ہے۔ اور رُخ اسکا اس طرف معلوم ہوتا ہے عجیب
نہیں کہ کوئی راجہ قلعہ کی مدد کو پہنچا ہو۔ اُسی وقت سانڈنی سوار اور ہرکارے دوڑ گئے۔ گو کم کے
دم میں پھر کر آئے اور خبر لائے کہ فلاں فلاں شہر کے راجا اس قدر فوج کی جمعیت سے
آن پہنچے۔ شاہ با تدبیر نے اس کو یہیں بند رکھا کہ اگر لڑتی ہوئی فوج کو یہ خبر وحشت ناک
پہنچی۔ تو ساری فوج میں ہل چل پڑ جائیگی۔ فوراً اپنی رکاب کی فوج لیکر بیتی دیا دکھیل رخ
لیکا۔ اور اُس کالی آندھی کے آگے پہاڑ کیطرح ڈٹ گیا۔ اوّل پیغام بھیجا کہ اسوقت قلعہ
والوں سے ہمارا مقابلہ ہو رہا ہے۔ شایان جوانمردی یہ ہے۔ کہ جبتک ہم اُدہر سے
فارغ نہ ہو لیں۔ تم ہمپر حملہ نہ کرو۔ اُنہوں نے کہلا بھیجا کہ قلعہ اور ہم کوئی جدا نہیں
زبانی باتیں نہ بناؤ۔ مرد ہو تو تلوار لیکر میدان میں آؤ۔ یہ دایاں بایاں سردار دیکھو بانٹ فوج کا قلعہ
باندھ کر قلب میں قایم ہو چکا تھا۔ اُدہر سے کرنا اُدہر سے نرسنگا لڑائی کا پھونکا گیا۔ پہلے
تو تیر و خدنگ سے پیغام و سلام مروت کے آئے۔ مگر اُدہر ہندوستان کے سو بہیر اُدہر ترک
طرار بڑھ بڑھ کر حملے کرنے لگے۔ جنگ کا ہنگامہ گرم ہوا تلوار کی آنچ سے خود و زرہ کے نیچے
بدن بہادروں کے جل اُٹھے اور خون پانی ہو کر بہ گئے۔ کہ دفعتہً پھر ایکطرف سے غبار اُٹھا
سب کی آنکھیں اُدہر لگ گئیں۔ جب غبار کے دامن کو منقراض ہوا نے پاک کیا۔ اور گرد
کے گریبان سے نشان لشکر نے سر نکالا۔ تو معلوم ہوا کہ نہر والے کا راجہ بھی آیا ہے۔ اس
خبر کو سنکر کوئی ترک کیا افغان سبکے ہاتھ پاؤں پھیلے گئے۔ اور محمود کے بھی اوسان بھولے لگے۔ مگر پھر
سنبھلا۔ اُدہر تو جو فوج قلعہ پر پڑی تھی۔ اسے پیغام بھیجا کہ قلعہ کا پیچھا چھوڑ دو۔ اور
یہاں کی خبر لو۔ اور آپ گھوڑے سے کود جبین نیاز کو اپنے خدا کے سامنے خاک عجز پر
رکھدیا اور دیر تک درگاہ خدا میں بگریہ وزاری دعا مانگتا رہا۔ بعد ازاں اُٹھا اور فوج کی
طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اے شیرو! دلیرو! دیکھو دشمن نے چاروں طرف سے گھیر لیا
ہے۔ خراسان اور ترکستان یہاں سے سینکڑوں نہیں ہزاروں کوس کا پلہ ہے۔ اگر یہ
بھی لگا کر اُڑ کے گئے تو جان لیکر وہاں نہ پہنچ سکو گے۔ اے مسلمانوں با ایمانوں اب سوا
خدا وحدہٗ لاشریک کے کسی کا سہارا نہیں صرف اسکا آسرا ہے با ہمت مردانہ اور بازوئے

[illegible]

کے خزانہ پر نظر کرو کہ جو روپیہ پجاری دیتے تھے۔ اُس سے چند در چند زیادہ کا جواہرات اُسمیں سے نکل پڑا۔ محمود مارے خوشی کے باغ باغ ہوگیا۔ دو ٹکڑے اسکے مکے معظمہ میں بھیجے۔ اور دو غزنی کو بھجوائے تاکہ ایک جامع مسجد اور ایک دیوان عام کے دروازہ پر ڈالا جائے تاریخ فرشتہ کا مصنف گیارہویں صدی کے اخیر میں لکھتا ہے۔ کہ ایک ٹکڑا مقام مذکور میں کھڑا ہے۔ زر و جواہر مال و دولت اسقدر ہاتھ آیا۔ کہ تمام کی لوٹ کو بھول گیا۔

بعض کا خیال ہے۔ کہ دریائے نور اور کوہ نور دونوں مشہور ہیرے اسی مندر سے محمود کے ہاتھ آئے تھے۔ لیکن یہہ امر نہایت مشکوک ہے اس اثنا میں انہلواڑہ کا راجہ بھاگ گیا۔ اور اس نے گنڈابہ کے قلعہ میں پناہ لی۔ یہ قلعہ بڑا مضبوط اور مستحکم تصور کیا جاتا تھا۔ اور اسکے چاروں طرف پانی تھا۔ محمود نے کسی نہ کسی حکمت سے قلعہ کا راستہ معلوم کر لیا۔ اگرچہ یہ راستہ پرخطر تھا۔ مگر یہہ جوانمرد ہمیشہ خطرہ اور خوف بیم اور ہراس کو نظر حقارت سے دیکھتا تھا۔ غرض جب مدوجزر یعنی جوار بھاٹے کے باعث پانی نایاب تھا۔ یہ فوج لیکر قلعہ میں جا گھسا اور قلعہ فتح شروع کر دیا مگر راجہ یہاں بھی قابو نہ آیا۔ اور بھاگ گیا۔ محمود مظفر و منصور ہو کر انہلواڑہ کیطرف لوٹا۔ اور غالبًا اُس نے موسم برسات اسی جگہ گذارا۔ اس جگہ کی آب و ہوا کی سبزی اور شادابی محمود کو نہایت پسند آئی۔ اور اُس نے چاہا۔ کہ بجائے غزنی کے اس مقام کو اپنا پایہ تخت مقرر کرے۔ ان دنوں میں متواتر فتحیابیوں نے اسکا دماغ اوج عیوق پر پہنچا دیا تھا۔ اور وہ سوچ رہا تھا کہ کوئی ایسی تدبیر ہو جس سے ایک جنگی بیڑا تیار کر کے سمندر پر بھی ہاتھ صاف کروں۔ محمود کا بحری سفر کر کے سکندر ابن فیلقوس کیطرح شہرت حاصل کرنیکا مدعا نہ تھا۔ بلکہ اسکا اصلی مقصد یہ تھا کہ کسی طرح لنکا کے جواہرات اور پیگو کی طلائی کانیں بھی ہاتھ آجائیں۔ لیکن آخر کار یہ تجویزیں نری خیالی پلاؤ ہی رہیں۔ اور اسکے وزیران باتدبیر نے یہ صلاح دی کہ ان خیالات کو دل سے بھلا دیجیئے۔ علاوہ بریں انہلواڑہ کا راجہ ابھی تک بھاگا پھرتا تھا۔ اور اطاعت پر راضی نہ تھا۔ محمود نے مناسب سمجھا کہ کوئی ایسا شخص ڈھونڈا جاوے جو ایماندار ہو۔ تاکہ اس کو نائب

[illegible]

کو انکی حالت پر رحم آگیا۔ غرض محمود کے اقبال سے ان کو ایک چشمہ مل گیا۔ جس سے سب کی جان بچی۔ ورنہ سب کا کام تمام ہو چکا تھا۔ آخر کار یہ ملتان میں پہنچ گئے۔ اور وہاں سے غزنی کی طرف مراجعت کی۔

غزنی میں پہنچکر محمود نے ذرا بھی آرام نہ لیا۔ بلکہ ساز و سامان درست کر کے دوسرے سال پھر ملتان پر چڑھ آیا۔ اور ان جاٹوں پر حملہ کیا جو سومنات جاتے وقت اسکی مزاحم ہوئے تھے۔ یہہ جاٹ جھٹ جزیروں میں گھسکر پناہ گزیں ہوئے۔ مگر یہہ بھی گھر سے سب طرح پورا بندوبست کر کے آیا تھا۔ فوراً کشتیوں پر سوار ہو کر ان کو جا دبایا۔ اور بے دریغ خاک و خون میں ملا دیا۔ اور ہزاروں عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا۔ یہ محمود کا ہندوستان میں آخری حملہ تھا۔ اسکے بعد وہ سلجوقوں کی بغاوت کے فرو کرنے میں مشغول ہو گیا۔ اور سنہ ۱۰۲۷ء میں ان کو شکست دیکر تابع فرمان کر لیا۔

اسکے بعد محمود نے دیار فارس کو فتح کیا۔ خاندان دیلمی تین شاخوں میں منقسم ہو گیا تھا اور بہت سے تغیر و تبدل کے بعد عراق و فارس پر قبضہ ہو گیا۔ جسکی سرحد خراسان اور ہمدان کے پرے کردستان تک پھیلی تھی۔ جب اس شاخ کا سرگروہ فوت ہو گیا۔ تو اسکی بیوہ اسکی سلطنت کی سربراہ مقرر ہوئی۔ جب محمود تخت نشین ہوا۔ تو اس نے اس انقلاب سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ مگر اس کو بیوہ نے ایک خط لکھا۔ جسکا یہ مضمون تھا۔ اگر میرا خاوند زندہ ہوتا۔ تو تمہارا حملہ کچھ وقعت رکھ سکتا تھا۔ اب ایک عاجز بیوہ پر لشکر کشی کرنا تمہارے شان کے شایاں نہیں۔ ممکن ہے کہ خدا تمہیں بیوہ سے مغلوب کرا دے۔ تو تمہارے لئے مر جانے کے برابر ہو گا۔ چنانچہ اس خط کے مطالعہ پر محمود اپنے ارادہ سے باز آیا۔ مگر اس بیوہ کے لڑکے سے محمود نے فیاضانہ برتاؤ نہ کیا اور جب عراق میں ابتری پھیلی۔ تو اس نے نہایت کمینہ پن کیساتھ حملہ کر کے نوجوان حاکم کو جسنے اپنے آپ کو اسکے حوالہ کر دیا تھا۔ اسیر بنا لیا۔ اور تمام سلطنت کا قبضہ کر لیا۔ اصفہان میں اسکا کچھ یونہی سا مقابلہ ہوا۔ مگر اس نے لہو اور خون کے نالے بہا دئے۔ یہ فتح اسکا آخری کارنامہ تھا۔ یعنی جب ان فتحیابیوں اور لڑائیوں کے دفتر تقدیر میں جگہ نہ رہی

پالکی میں سوار ہو کر ان کو دیکھا۔ آہیں سرد بھریں اور زار زار رویا۔ دنیا ایسی ہی چیز ہو کسی کا دل اس سے کبھی سیر نہیں ہوتا۔ گو غیر معمولی حادثات کے وقت تھوڑے عرصہ کے لئے انسان اس سے بیزار ہو جاتا ہے۔ مگر سہ

نشاید بتن اندر چیز کس دل 
کہ دل برداشتن کار یست مشکل

عام فانی انسان کیطرح محمود نے بھی ان دنیاوی لوازمات میں ایسا دل لگایا تہا۔ کہ اس کو اُن سے جدا ہونیکا سخت قلق ہوا۔ آہیں سرد بھریں۔ اور زار زار رویا۔ مگر حیف کہ ہاتھ لوٹ جائیں جو کسی کو ایک پیسہ دیا ہو۔ آخر جان دی اور بڑی حسرت کے ساتھ دنیا سے کوچ کیا محمود ایک باغمیں جسکو روضۃ السلطان کہتے ہیں دفن ہوا۔ قبر پر اسکا نام سلطان نظام الدین ابو القاسم محمود لکھا ہوا ہے۔

طبعی عادات اور دیگر حالات

اس طرح پر محمود غزنوی کا خاتمہ ہوا۔ بیشک یہ شخص اپنے زمانہ کا بڑا با اقتدار بادشاہ ہوا ہے۔ اور اہل اسلام تو اس کو صاحبقران کہتے ہیں۔ خاندان غزنوی میں بہت جلد زوال کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔ اسلئے الفنسٹن صاحب فرماتے ہیں۔ کہ محمود نے اسکی بنیاد حکمت عملی اور لیاقت سے نہیں رکھی۔ محمود نے نہ کوئی قانون بنایا۔ اور نہ کوئی اندرونی ترقی ملک میں کی۔ اس کی ساری شہرت اُسکی بہادری اور شجاعت پر مبنی ہے۔ جو اُس سے معرکہ کارزار میں نمایاں ہوئی۔ محمود مدبر ملک نہ تہا۔ وہ صرف بہادر سپاہی تھا۔ البتہ اس نے علوم و فنون کو ترقی دینے میں سعی کی ہے۔ اور باوجودیکہ وہ اوّل درجہ کا ممسک تہا۔ مگر عالموں اور ہنر مندوں کی قدر کیا کرتا تہا۔ اور ان کو تھوڑا بہت لیتا دیتا بھی تھا۔ اُس نے غزنی میں ایک

بیت العلوم قائم کیا تھا۔ اور ایک کتب خانہ بھی بنایا جسمیں اُس نے ہر زبان کی کتابیں جمع کیں۔ اور ایک عجائب خانہ بھی بنایا تھا جسمیں اُسنے عجیب و غریب چیزیں جو اُسے دور دور ملکوں سے حاصل ہوئی تھیں لاکر رکھیں تھیں۔ اس بیت العلوم کے اخراجات کیلئے اُس نے ایک خاص رقم علیحدہ کر رکھی تھی۔ جس سے پروفیسروں اور طالبعلموں کا گذارہ چلتا تھا۔ اس نے قریبًا ایک لاکھ روپیہ علما کی پنشن کیلئے علیحدہ کر چھوڑا تھا۔ اسی جود و دہش کے باعث اسکے دربار میں ہمیشہ علما کا گروہ کثیر جمع رہتا تھا
اگرچہ فارسی علم و زبان کی ترقی کا دروازہ پہلے خاندان سامانیہ کیوقت میں کھلا۔ اور تاریخ کا ترجمہ عربی زبان سے فارسی میں ۳۴۶ھ میں ہوا۔ اور پھر رودکی شاعر کو ایک شاہزادہ نے اسّی ہزار درم عطا کیئے۔ اور اگرچہ بقول مسٹر گبن خاندان دیلمی کے زمانہ میں فارسی میں بہت کچھ ترقی ہوئی۔ مگر دراصل فارسی کو کماحقہٗ وسعت محمود غزنوی کے زمانہ میں ہی ہوئی محمود کے دربار میں عنصری شاعری کے ذریعہ سے اعلے رتبہ پر پہنچا تھا۔ مگر محمود کا نام علماء کے زمرہ میں فردوسی کی بدولت ہی مشہور ہوا۔

اس بادشاہ کے تذکرہ میں ایک مشہور قصہ بھی قابل ذکر ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس میں ایک سخت عیب تھا۔ کہ بعض اوقات انصاف پر طمع غالب آجاتی تھی۔ محمود نے دیکھا کہ ایران کے بادشاہوں کے کارنامے لوگوں کو بھولتے جاتے ہیں اس لئے اس نے دقیقی شاعر کو مقرر کیا کہ وہ شاہنامہ مرتب کرے۔ چنانچہ دقیقی نے شاہنامہ لکھنا شروع کردیا۔ مگر ابھی اُس نے ایک ہزار شعر بھی نہیں کہا تھا۔ کہ اس کو ایک ملازم نے قتل کر ڈالا۔ فردوسی نے جو دنیا میں ایک بڑا زبردست شاعر گذرا ہے۔ جب سنا کہ محمود کو شعر وسخن کا بڑا شوق ہے۔ تو غزنی کا رُخ کیا۔ اسکو اہل یورپ فارسی زبان کا ہومر کہتے ہیں۔ اور واقعی رزم نگاری میں مشرق میں ایسا کوئی دوسرا شاعر نہیں ہوا۔ جب یہ غزنی میں پہنچا۔ تو نہایت تھکا ماندہ ہوکر ایک باغ میں گیا۔ تاکہ تکان راہ سے ذرا سستالے اتفاقًا اس وقت اسی باغ میں شعرائے دربار محمودی۔ عنصری۔ عسجدی۔ اور فرخی بیٹھے ہوئے شراب نوشی کر رہے تھے۔ اُن کو فردوسی کا آنا سخت ناگوار گذرا۔ اور

اونہوں نے صلاح کی کہ جسوقت یہ آوے۔ ہم تینوں ایک ایک ایسا برجستہ مصرع کہیں کہ جسکا جواب اس نوواردکو نہ آوے۔ اور ناچار اپنا سا منہ لیکر چلا جاوے۔ چنانچہ جب فردوسی اِن کے پاس آیا +

عنصری نے کہا ۔ چون عارض تو ماہ نباشد روشن +

عسجدی نے کہا ۔ مانند رخت گل نبود در گلشن +

فرخی نے کہا ۔ مژگانت گذر ہمی کند در جوشن +

فردوسی نے فی البدیہ کہا ۔ مانند سنان گیو در جنگ پشن +

یہ سنکر ان تینوں کی آنکھیں کھلگیئیں۔ اور اسکو دست بدست دربار میں لیگیے۔ اور محمود نے اُسپر بہت کچھ الطاف خسروانہ فرمایا۔ اور شاہنامہ لکھنے کا حکمدیا۔ اور حق محنت فی شعر ایک اشرفی عطا کرنیکا وعدہ کیا۔ فردوسی نے بڑا خون جگر کہاکر ساٹھ ہزار شعر لکھے۔ اور کتاب شاہنامہ مرتب کرکے بادشاہ کیخدمت میں پیش کی۔ اس کتاب کی نظم ایسی عمدہ ہی کہ جب تک فارسی زبان دنیا میں باقی ہے۔ اس کی شہرت کبھی کم نہ ہوگی۔ ساٹھ ہزار شعر دیکھکر محمود اپنے وعدہ سے پچھتایا۔ اور دون ہمتی سے فردوسی کو صرف ساٹھ ہزار روپیہ یعنی انعام موعودہ کا سولہواں حصہ دینے لگا۔ اس کو فردوسی نے منظور نہ کیا۔ ایک دوسرا بیان یہ بھی ہے کہ فردوسی نے تمام شاہنامہ میں ایاز کی ذرا بھی تعریف نہ لکھی جو محمود کا نہایت منظور نظر غلام تہا۔ ایاز اس خیالمیں تہا کہ فردوسی سے انتقام لے۔ چنانچہ جب انعام دینے کا وقت آیا۔ تو ایاز نے بجاے ساٹھ ہزار اشرفی کے اسقدر روپیہ بھجوادیا۔ کہتے ہیں کہ جس وقت شاہی ملازم انعام لیکراس کے پاس گیا۔ تو اُسوقت فردوسی حمام میں غسل کررہا تھا۔ ساٹھ ہزار روپیہ دیکھکر اسکے بدن میں آگ لگ گئی۔ اور کھڑے کھڑے وہ تمام روپیہ ملازم شاہی کے روبرو ہی حمام کے خدمتگاروں میں تقسیم کردیا۔ اور ناراض ہوکر راتوں رات محمود کی ہجو میں ایک قصیدہ لکہا جسکا پہلا شعر یہ تہا ؎

آیا شاہ محمود کشور کشاے ۔ نہ ترسی زکس گر نترسی از خداے

اگرچہ خلیفہ بغداد نے اُسے "امین الملک یمین الدولہ" کا خطاب دیا تھا۔ اور محمود نے یہ عہد کر لیا تھا۔ کہ میں دین اسلام کی اشاعت کے لئے ہر سال ہند پر حملہ کروں گا۔ مگر یہ کہیں بھی ظاہر نہیں ہوتا۔ کہ اس نے ایک بھی ہندو کو مسلمان کیا ہو۔ اس نے اپنی الگ ہی حکومت چلائی تھی۔ جس کا منشا یہ تھا۔ کہ صرف روپیہ ہاتھ آئے۔ چاہے کوئی ہندو رہے۔ یا مسلمان۔ چنانچہ جب گجرات سے واپس آنے لگا۔ تو اس نے ہندو کو نائب السلطنت مقرر کر دیا۔ ایک مورخ لکھتا ہے۔ کہ اس نے زیادہ خونریزیاں اور ہنگامہ قتال فارس میں اہل اسلام کے درمیان ہی کیا تھا۔ اور ہندوستان میں اس نے سوائے ان شخصوں کے جو میدان جنگ میں کام آئے۔ ایک بھی ہندو قتل نہیں کیا۔

مورخین اسلام لکھتے ہیں۔ کہ ایکدفعہ اسکے دلمیں قیامت اور حشر کی نسبت شک پیدا ہو گیا تھا۔ مگر بعد ازاں اسنے یہ مشہور کر دیا کہ خود رسالت مآب میرے پاس خواب میں تشریف لائے ہیں۔ اور تمام شک و شبہ میرے دل سے رفع ہو گئے ہیں۔ بہر حال اس میں کچھ کلام نہیں کہ وہ ظاہر بڑا متعصب مسلمان تھا۔ اور فرائض مذہبی کو ہمیشہ بجالاتا تھا۔ تمام معرکوں میں جو اسنے فتح کئے وہ ہمیشہ گھوڑے سے کود کر زمین پر جبین نیاز رگڑا کرتا تھا اور خدا سے فتح کی دعا مانگا کرتا تھا۔ جس سے ثابت ہے کہ خدا کی ذات پر اسے پورا بھروسہ تھا الفنسٹون صاحب لکھتا ہے۔ کہ اگرچہ اسکے زمانہ میں خونریزیاں ہوئیں۔ مگر اس نے کسی پر ایسا ظلم نہیں کیا۔ جیسا کہ بعض بادشاہ کیا کرتے تھے۔ یعنی اس نے کسیکو زندہ دفن نہیں کرایا۔ یا کسی کی کھال نہیں کھچوائی یا کسی کے منہ میں سرب گداختہ نہیں ڈالا۔ وہ قیامت برپا نہیں جو برتھالمتوں کے دن فرانس اور ملکہ مری کیوقت میں انگلستان میں ہوئی تھی

بعض مورخوں نے لکھا ہے۔ کہ وہ بڑا منصف مزاج اور صاحب دل تھا۔ ایکدفعہ غزنی سے ایران کو جو سڑک جاتی ہے۔ اس پر بلوچی قزاقوں نے ایک مضبوط قلعہ لے لیا تھا اور جو سوداگر وہاں سے گزرتے تھے۔ ان کو وہ لوٹ لیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے تاجروں کے ایک قافلے کو لوٹا۔ اور خراسان کے ایک نوجوان کو مار ڈالا۔ اس جوان کی

[illegible]

کھانا پینا اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ اور دل میں وعدہ کیا تھا۔ کہ جبتک اس مجرم کو قتل نہ کر لوں۔ پانی تک نہیں پیوں گا۔ اور اس وقت پیاس کی شدت سے میری حالت غیر تھی +

محمود غزنوی کی نسبت لوگ کہتے ہیں۔ کہ ایک غلام ایاز پر عاشق تھا۔ اور سفید و سیاہ کا اس کو مالک و مختار کر دیا تھا۔ چنانچہ اس بات کی تائید میں یہ شعر بھی ہے +

محمود غزنوی کہ ہزاراں غلام داشت +
عشقش چنان گرفت غلام غلام شد +

اعیان سلطنت اس بات سے نہایت جلتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک دل جلے امیر نے بادشاہ سے عرض کی کہ ایاز میں کون سی ایسی بات ہے۔ کہ جس کی باعث آپ اس کو اس قدر عزیز رکھتے ہیں۔ بادشاہ نے کہا اچھا میں اس کا جواب آپ کو عنقریب دوں گا۔ ایک دن بادشاہ بمعہ اکثر اہل دربار اور ایاز کے ایک تنگ کوچہ سے گذر رہا تھا۔ اور ایک اونٹ پر زر و جواہر کا ایک صندوق بار تھا۔ صندوق ٹوٹ گیا۔ اور بادشاہ نے حکم دیا کہ اس صندوق کو لوٹ لو۔ یہ کہکر بادشاہ وہاں سے چل پڑا تمام امرا و وزرا اس کو لوٹنے میں مشغول ہو گئے۔ مگر ایاز بادشاہ کے ساتھ ساتھ رہا۔ اور مال غنیمت کا خیال تک دل میں نہ لایا۔ بادشاہ نے کہا دیکھو محبت اسے کہتے ہیں۔ ایسے میرے گھوڑے کے ساتھ دوڑنا زر و جواہر سے بہتر سمجھا۔ باوجودیکہ میں نے خود اجازت بھی دے دی تھی۔ مگر اس بے طمع غلام نے روپیہ کی کچھ بھی حقیقت نہ سمجھی۔

محمود کے اور ایاز کے عشق کا حال محمود نامہ سے واضح ہوتا ہے۔ جس کا یہ ہند شعر ہے +

اے داغ بر دل از غم خال تو لالہ را +
شرمندہ صاحت آہوئے چشمت غزالہ را +

جب وزرا نے محمود کی اس قدر محبت ایاز کے ساتھ دیکھی۔ تو اس پر خیانت کا الزام لگایا۔ اور کہا۔ کہ بادشاہ سلامت ایاز ہر روز آدھی رات کو خزانہ میں بیٹھا پایا جاتا ہے۔ محمود اپنے وزیر باتدبیر حسین میمندی کو لیکر دوسرے رستہ سے خزانہ میں گیا۔ اور چھپ رہا جب آدھی رات ادہر اور آدھی ادہر ہوئی۔ تو ایاز حسب معمول وہاں آیا۔ اور ایک صندوق سے پھٹا پرانا لباس نکال کر پہنا۔ اور بڑی دیر تک خدا کی درگاہ میں شکریہ ادا کرتا رہا۔ کہ اے پاک پروردگار میں وہی ناچیز ہوں جو ان چیتھڑوں میں پھرا کرتا تھا۔ یہ رتبہ جو تو نے مجھے بخشا ہے۔ میں اسکے لایق ہرگز نہ تھا۔ یہ سراسر تیری عنایت کا ظہور ہے۔ بادشاہ یہ حال دیکھ کر ایاز کے دشمنوں کو خوب شرمندہ کیا۔ اور ان کو قرار واقعی گوشمالی دی ۔

محمود کے دو وزیر ابو العباس اور حسن یا احمد میمندی بڑے دانا تھے۔ ابو العباس بڑا معاملہ فہم آدمی تھا۔ اگرچہ عالم فاضل نہ تھا۔ اس نے کل کاروبار میں فارسی زبان کو داخل کر لیا۔ احمد میمندی نے مستقل دستاویزوں کے لئے عربی زبان کو استعمال کیا جس طرح یورپ میں اس قسم کی دستاویزیں لاطینی زبان میں لکھی جاتی تھیں۔ اور یہی باعث ہے کہ اگرچہ ہندوستان پر ایرانیوں نے کبھی براہ راست تسلط نہیں کیا۔ پھر بھی فارسی زبان کاروبار میں استعمال ہونے لگی۔ فارسی زبان ہندوستان میں بکثرت استعمال ہوئی آئی ہے۔ اور فرانسیسی زبان کے یورپ میں استعمال سے کہیں زیادہ مستعمل ہے۔ بلکہ اردو زبان کی بھی فارسی ہی بنیاد ہے ۔

سلطان محمود کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام محمد تھا۔ اور دوسرے کا مسعود۔ محمود کے بعد محمد تخت نشین ہوا۔ مگر مسعود نے اسے تخت سے اتار کر آنکھوں سے اندھا کر دیا ۔

سلطان محمود کے بعد ملک پنجاب ایک سو چالیس برس سے کچھ زیادہ اس کی اولاد کے قبضے میں رہا۔ لیکن وسط ایشیا میں جو سلطنت غزنی کا علاقہ تھا۔ وہ اس سے پہلے ہی ان کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ انجام کار غور جو افغانستان میں غزنی اور ایران کے مابین

ایک کوہستانی علاقہ ہے۔ وہاں کے بادشاہوں نے غزنی کے خاندان کا چراغ گل کر دیا اور محمد غوری نے ہندوستان کو تاخت و تاراج کیا۔ اس وقت غزنی کا آخر بادشاہ قید خانہ میں قتل ہو چکا تھا ٭

ایک شاعر نے سلطان محمود کی تاریخ وفات سنہ ہجری جو کہ مادۂ ۲۲ پر مشتمل ہے اس قطعہ میں قلمبند کی ہے ٭

ع

آنکہ محمود غزنوی بودہ — واقف سِرّ معنوی بودہ
سال ترحیل آن خدیو زمان — ہاتفم گفت شاہباز جہاں ۴۲۱

تمام شد

2827